8۔ چراغ کی لو

ہاجرہ مسرور (ولادت: 1929ء۔ 2012ء)

تعارف: ہاجرہ مسرور ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ ہاجرہ کے والد کا نام ڈاکٹر تہور احمد خان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا، لیکن گھر میں لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۴۱ء میں ہاجرہ کا پہلا افسانہ ''لاوارث لاش'' عبدالحلیم شبلی کے رسالے ''خیام'' میں شائع ہوا۔ یوں ہاجرہ مسرور باقاعدہ افسانے لکھتی رہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ادب میں پہچان بن گئی، بعد میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی رکن بھی بن گئیں۔ تقسیم کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ لاہور منتقل ہوئیں، یہاں احمد ندیم قاسمی کے ساتھ مجلہ ''نقوش'' لاہور، مرتب کرتی رہیں۔ اُن کے افسانوں میں ترقی پسند خیالات ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی سماج کی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ہاجرہ مسرور ۲۰۱۲ء میں فوت ہوئیں۔

تصانیف:۔ نمایاں افسانے:۔ چرکے، ہائے اللہ، چوری چھپے، اندھیرے اجالے، تیسری منزل شامل ہیں۔ افسانوی مجموعہ ''سب افسانے میرے'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ افسانہ ''چراغ کی لو'' افسانوی مجموعے ''سب افسانے میرے'' سے ماخوذ ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

صفحہ 40 ۔ چراغ کی لو (دیئے کا شعلہ یا دیئے کی لاٹ) تاریکی (اندھیرا) بھیانک (خوفناک، دہشت ناک، ڈراؤنا) جی الٹنا (جی گھبرانا) ڈھانچے (ہڈیوں کے پنجر) چیخ (ٹوٹنا، ٹوٹ پھوٹ) لڑھک گئی (بے سدھ ہو کر گر پڑی) دم نکلنا (جان نکلنا، بہت زیادہ سہم جانا) نظر جما کر دیکھنا (ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا) وضع (تراش خراش، طور، طریقہ، انداز) مانوس (واقف، آشنا) چرمرایا (بے ڈھنگی آواز پیدا کرتے ہوئے دروازے کا کھلنا) کھٹ سے (آواز پیدا کرتے ہوئے) کپکپانا (لرزنا، تھرکنا) مری ہوئی (مدھم، ہلکی معمولی) جھلا کر (پریشان ہو کر، حواس باختہ ہو کر) وحشت زدہ (خوفناک دہشت ناک، ڈراؤنا)

صفحہ 41 ۔ کھچڑی ڈاڑھی (اُلجھی ہوئی ڈاڑھی) اوندھی ہوئی (اُلٹی، منہ کے بل) لکیروں سے پٹی ہوئی پیشانی (بڑھاپے یا مسلسل پریشانی کی باعث انسان کی پیشانی پر پڑنے والے بل) ابلی ہوئی آنکھیں (کمزوری کے باعث باہر نکلی ہوئی آنکھیں) خم کھانا (بل کھانا، ٹیڑھا ہونا) چرمراتی ہوئی بیڑی (بیڑی کے سلگنے سے پیدا ہونے والی آواز) آنگن (صحن) کانکھنا (کراہنا) پٹی (چارپائی کے پہلو کی لکڑی) مارے طلب کے (تقاضے کے باعث، دل کی خواہش کے باعث) جمائیاں (نشہ ٹوٹنے کی کیفیت، جسم میں تناؤ آ کر منہ کھل جانا) جی مارنا (دل کی خواہش ترک کرنا) تیرا جی تو ہر بات میں اُلٹا کرتا ہے (تو پریشان ہوتا ہے، گھبراتا ہے) دماغ چل گیا ہے (پاگل ہو گیا ہے) دالان (کھلا ہوادار کمرہ، برآمدہ) رینگ گئی (چلی گئی، آہستہ آہستہ چلی گئی) سنسان (ویران) طاق (محراب دار ڈاٹ، بغیر پٹ کی چھوٹی سی الماری) ٹمٹماتی ہوئی (جلتی بجھتی ہوئی) دھچکا لگنا (شدید صدمہ لگنا، غم کھانا) جھونجھ ایسے بال (گھونسلے جیسے بال) پھری ہوئی پتلیاں (حالت غیر ہونا، آنکھیں پھر جانا، موت کے آثار ظاہر ہونا) چیتھڑوں (پھٹے پرانے کپڑے) گدڑوں (پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑے) بموجب (کے مطابق ہونا) چھالیٹن (ایک سستے کپڑے کا نام) گھیر گھار والا پاجامہ (سوتی کپڑے کا پاجامہ، کھلے گھیر والا پاجامہ) لیرے لیرے کپڑے (پھٹے پُرانے کپڑے)

صفحہ 42 ۔ بلکتی (روتی دھوتی، چیخ پکار کرتی) مدھم لو (دھیمی روشنی) گھلتی جا رہی تھی (دبلی ہوتی جا رہی تھی) ٹھسکے دار کھانسی (مسلسل کھانسی، خشک اور ہلکی ہلکی کھانسی کی آواز، T.B کی ایک اہم علامت) ہُن برسنا (دولت کی ریل پیل ہونا) سونے چاندی کے پہاڑ کھڑے ہونا (دولت کے انبار لگنا، بہت زیادہ امیر ہونا) دور موئی تجھے اپنی نکمیارونی سے مطلب (ہٹ بدبخت تجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے) مہنگائی بھتہ (الاؤنس، تنخواہ کے علاوہ رقم) بن آئی (قسمت کھل گئی، فائدہ ہوا) امنگ (خواہش، آرزو، تمنا) بھانپ کر

(اندازہ لگا کر، کسی شے کے تیور دیکھتے ہوئے اُس کے متعلق قیاس کرنا) جی سوکھنا (خوفزدہ ہونا، ہراساں ہونا) لالے پڑنا (خطرے میں پڑنا) لونڈی (لڑکی، بیٹی، چھوکری) کوڑی کی دوا (معمولی رقم کی دوا) گھر بار کا کرنا (شادی کرنا، بیاہ کرنا) دماغ چلنا (ذہن خراب ہونا، دماغ خراب ہونا) اٹھواروں (آٹھ دن بعد) پیروں کا قیمہ بننا (ہجوم کے باعث پاؤں کا کچلے جانا) سنسان (ویران) نیم تاریکی (مغرب کا وقت، جب نہ مکمل طور پر اندھیرا ہوتا ہے نہ روشنی)

صفحہ 44۔ قناعت کرنا (صبر کرنا، اکتفا، کافی سمجھ لینا) لڑکھڑاتی ہوئی (گرتی پڑتی ہوئی) مد میں (حساب میں) جھنجلایا ہوا (غصے میں آیا ہوا) بھونڈی (بدصورت، بُری) پیچ و تاب کھانا (بے چینی دکھانا) ڈھنڈورا پیٹنا (شور مچانا، واویلا کرنا)

سبق کا خلاصہ

(بہاول پور 2008، لاہور 10، 08، 2007، ڈیرہ غازی خان 2010، ملتان 2010، راولپنڈی 2010، 2006، فیصل آباد 12،)

اچھن محسوس کرتی ہے کہ شام کی تاریکی میں ہر چیز دھندلی سی ہوتی جارہی تھی۔ بغیر پلستر کی دیواریں تاریک سی ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے باپ کی منتظر تھی جسے آج قدرے دیر ہوگئی تھی۔ اس نے رونے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں اشکوں سے خشک ہو چکی تھیں۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا تو یوں نظر آیا جیسے ننگے سفید لباس میں ملبوس ڈھانچے سامنے کی تاریک کوٹھڑی سے نکل کر پورے گھر میں گھوم رہے تھے۔ ان ڈھانچوں کی خوف ناک آواز سے لڑکھڑا کر وہ چارپائی پر گر گئی۔ بے حس و حرکت اچھن جدھر نگاہ دوڑاتی اسے سفید لباس میں ملبوس ڈھانچے دکھائی دیتے۔ سفید کپڑے کفن کی صورت میں اس کی ماں کو پہنائے گئے تھے اور یہ منظر اس کے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔

اچھن کا باپ رات کو گھر آیا تو اس سے پوچھتا ہے کہ چراغ کیوں روشن نہیں کیا۔ اچھن بتاتی ہے کہ دیا سلائی نہیں تھی۔ باپ نے بیڑی سلگائی تو اس کا چہرہ کافی وحشت زدہ دکھائی دیا۔ بیٹی کا جی متلانے لگا تو باپ کو بیڑی پینے سے منع کیا۔ اس پر باپ غضب ناک ہو کر بولا کہ "تیرا دل تو ہر بات میں الٹا کرتا ہے۔۔۔۔ تیرا تو دماغ چل گیا ہے" بیٹی یہ سن کر برآمدے میں چلی گئی۔ چراغ جلا کر وہیں دیوار سے ٹیک لگائے وہ چراغ کو تکنے لگی۔ باپ نے بیڑی بجھا دی اور دوبارہ پینے کے خیال سے کان پر جما لی اور اچھن کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی ہڈیوں پر منڈھی ہوئی سیاہ کھال، الجھے ہوئے گھونسلے کی مانند بال، کھلے ہونٹ اور پھری ہوئی آنکھیں اس کی موت کی گواہی دے رہی تھیں۔

دو سال پہلے اچھن کی ماں بیماری کے ہاتھوں زندگی ہار گئی۔ لیکن یہ منظر دیکھ کر اچھن کا باپ ننگے سفید کفن کے چکروں میں پڑ گیا تھا۔ گو کہ کبھی ایسا لباس اُسے تا حیات میسر نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ غربا کو موت کے بعد امرا کے برابر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ کفن کی بھاگ دوڑ میں بالآخر دکان کے مالک نے ترس کھاتے ہوئے پچیس روپے عنایت کیے۔

اب اچھن بھی ماں کی طرح بیمار ہوگئی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد اسے بخار اور ٹھسکے دار کھانسی رہتی تھی۔ سرکاری ہسپتال کی پانی نما دوا اُلٹا نقصان دیتی اور مہنگائی آسمان کو چھو رہی تھی۔ چار سیر آٹا فی روپے ملنے والا فی سیر ڈھائی روپے ہو گیا تھا۔ مہنگائی بڑھتی جارہی تھی مگر دکان کا پرانا منشی دس سال سے دس روپے ماہوار پر تھا۔ کئی بار تنخواہ بڑھانے کا خیال اُس کے دل میں آیا لیکن مالک نے بھانپ کر اُس کے کام میں کیڑے نکالنا شروع کر دیے۔ چناں چہ یہ خیال بھی اُس کے دل سے رفو چکر ہو گیا۔

اس کے ہمسائے بھی اچھن کی شادی کا مشورہ دیتے کہ کھائے پئے گی تو خود ہی تندرست ہو جائے گی۔ اس کی شادی کر دو۔ لیکن اس کا والد شادی کے خرچ اور اچھن کے مستقبل پر اور بھی کانپ اُٹھتا کہ اس کی ماں کو شادی کے بعد کون سا سکھ نصیب ہوا جو اِسے ہوگا۔ پھر یہ سوچ کر کہ اچھن کا جی بیڑی سے متلاتا ہے تو سوچا کہ وہ آئندہ بیڑی نہیں پیے گا اور یہ خوش خبری بیٹی کو بھی سنائی۔ اچھن نے چراغ کی لو بڑھانے کی التجا کی۔ باپ نے کہا تیل صرف امرا کے لیے ہوتا ہے۔ اچھن کو اپنے باپ پر غصہ آنے لگا۔ امرا کے ہاں تیل سے بھری لالٹینیں تمام رات روشنی پھیلاتی ہیں اور غربا تاریکیوں میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ صرف موت کے وقت کفن ہی امیر اور غریب کا فرق مٹا سکتا ہے۔ وہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی چارپائی پر گر پڑی۔ اسے ہر طرف سے نئے سفید کپڑوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے رونے کی کوشش کی مگر آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔

مشقی سوالات

سوال 1 افسانہ ''چراغ کی لو'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیے۔

(i) اچھن کس بیماری میں مبتلا تھی؟

جواب اچھن ٹی۔ بی جیسی موذی بیماری میں مبتلا تھی۔

(ii) اچھن کا باپ کیا کام کرتا تھا؟

جواب اچھن کا باپ دکان پر دس روپے ماہوار پر منشی تھا اور حساب کتاب لکھا کرتا تھا۔

(iii) دکان کے مالک نے منشی جی کو رُوپے کیوں دیے؟

جواب دکان کے مالک نے منشی جی کو اس کی بیوی کے کفن دفن کے لیے پچیس رُوپے دیے۔

(iv) اچھن کے لہجے میں کس بات کی آرزو اور خوشامد تھی؟

جواب چراغ کی لو بڑھانے کی آرزو اور خوشامد تھی۔

(v) اچھن کے ابا نے یہ کیوں کہا کہ ''میں بیڑی نہیں پیوں گا''؟

جواب اُس نے اچھن کی ناراضی کے خیال سے کہا ''میں بیڑی نہیں پیوں گا''۔

(vi) اس افسانے میں ہمارے کس معاشرتی رویے پر تنقید کی گئی ہے؟

جواب افسانے ''چراغ کی لو'' میں غریب طبقے کی حالت زار کو موضوع بنایا گیا ہے کہ غریب طبقہ عمر بھر غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے جب کہ اُمرا کا طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ غریبوں کا احساس اور دل جوئی کرنے والا بھی معاشرے میں کوئی نہیں ہے۔ غریب اپنی حسرتوں سمیت کفن پوش ہو جاتا ہے۔

(v) سبق ''چراغ کی لو'' کا مرکزی خیال تحریر کریں؟

جواب افسانہ ''چراغ کی لو'' کا مرکزی خیال یہ ہے کہ غریب آدمی تمام عمر محرومیوں کا شکار رہتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات اور تمناؤں کا گلا گھونٹ کر زندہ رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ غریب آدمی دکھ جھیلنے کے لیے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے دکھ کا مداوا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ بیمار بھی ہو جائے تو کوئی اس کی مدد نہیں کرتا۔ البتہ اس کے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین کے لیے ضرور مدد کر دیتے ہیں۔

اہم عبارات کی تشریح

عبارت نمبر 1:

اس نے دوبارہ اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا تو ہر طرف بس یوں نظر آنے لگا جیسے نئے سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے ڈھانچے سامنے کی اندھیری کوٹھڑی سے نکل نکل کر سارے گھر میں گھوم پھر رہے ہوں۔ اس کے ذہن پر ان ڈھانچوں کی ہڈیوں کی چیخ اور نئے سفید کپڑوں کی مدھم کھڑکھڑاہٹ اس طرح چھا گئی کہ وہ آنکھیں میچ کر دوبارہ چارپائی پر لڑھک گئی۔ بالکل بے حس و حرکت جیسے اس کا دم ہی نکل گیا ہو۔

نوٹ: (جو طلبا ہر عبارت کا الگ سے سیاق و سباق نہیں لکھ سکتے، وہ سبق ہذا میں سے دی گئی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل یہ سیاق و سباق تحریر کر سکتے ہیں)

تشریح طلب اقتباس اُردو کی درسی کتاب کے سبق سے لیا گیا ہے، جو مصنفہ کی مشہورِ زمانہ کتاب "سب افسانے میرے" سے منتخب کیا گیا ہے۔ جس میں ایک غریب گھرانے اور کم تنخواہ پانے والے ایک مزدور کے تجربات کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلے پہل غریب شخص کی بیوی علاج کو ترستے ترستے موت کی وادی میں چلی جاتی ہے۔ اب اُس کی بیٹی اچھن بھی اُسی مرض میں مبتلا ہے۔ ٹھسکے دار کھانسی اور پھری ہوئی پُتلیاں باپ کے لیے پریشانی پیدا کر دیتی ہیں۔ مصنفہ کے خیال کے مطابق غریبوں کو مرنے کے بعد امیروں کی برابری کا موقع ملتا ہے۔ یعنی کفن دونوں کو نیا پہنایا جاتا ہے۔ غریبوں کا استحصال اس افسانے کا مرکزی خیال ہے۔

تشریح طلب اقتباس سبق کے .... سے لیا گیا ہے۔ (آغاز۔ درمیان۔ اختتام)

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی کی وجہ سے سامنے کی ہر چیز دھندلی پڑتی جا رہی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی سے دل گھبرایا تو اچھن اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے باپ کا انتظار تھا جو کام پر سے آ کر نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ خوب روئے۔ لیکن آنسوؤں کا ذخیرہ جیسے حلق میں اٹک کر رہ گیا ہو۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن کو سفید کپڑوں میں ملبوس سائے ہر طرف سے نظر آتے ہیں۔ اس کا باپ سگریٹ سلگا لیتا ہے، جس سے اچھن منع کرتی ہے تو وہ غصے ہو جاتا ہے۔ وہ اندھیرے میں اچھن کو دیکھتا ہے تو اسے اچھن کی ماں یاد آ جاتی ہے، جو دو سال پہلے اسی حالت میں بستر پر پڑی تھی۔ اچھن سوکھتی جا رہی تھی اور اسے اس کی فکر تھی۔ اچھن نے چراغ کی لو تیز کرنے کی فرمائش کی جس پر اس کا باپ ناراض ہوا کہ تیل بہت مہنگا ہے۔ وہ اندھیرے سے خوف زدہ ہو کر واپس چارپائی پر لڑھک گئی۔ اس کا دل چاہا کہ زور سے روئے، لیکن آنسوؤں کا ذخیرہ تو جیسے حلق میں پھنس گیا تھا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ اچھن اپنے باپ کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ آج اس کے باپ کو خلافِ معمول تاخیر ہو گئی تھی۔ اچھن گھر میں اکیلی ہونے کی وجہ سے ڈر رہی تھی۔ اچھن ایک بار پھر گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، تو اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے نئے سفید کپڑوں میں ملبوس ڈھانچے سامنے کی تاریک کوٹھڑی سے نکل نکل کر سارے گھر میں چکر لگا رہے ہیں اور اُسے خوف زدہ کر رہے ہیں۔ دراصل اچھن کی یہ ذہنی کیفیت تین وجوہات کی بنا پر ہوئی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ گھر میں غربت اور مفلسی ہے۔ اُس کے باپ کو محض دس روپے تنخواہ ملتی ہے جس میں گھر کے ضروری اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے۔ غربت نے بھی اچھن کو انتہائی مایوس کر دیا ہے اور مستقبل میں بھی حالات بہتر ہونے کی امید دکھائی نہیں دیتی۔

بقول فلاسفر:
"مفلسی انسان کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے"

دوسری وجہ تنہائی ہے۔ اچھن تنہائی کا شکار ہے۔ گھر میں بہن بھائی اور دیگر افرادِ خانہ نہیں ہیں۔ باپ سارا دن کام کی وجہ سے باہر رہتا ہے۔ ماں جو سب سے زیادہ غم خوار ہوتی ہے وہ فوت ہو چکی ہے۔ تیسرا سب سے بڑا المیہ اور حادثہ جس کا شکار اچھن ہے وہ مامتا کی محرومی ہے۔ اس کی ماں دو سال قبل فوت ہو گئی تھی۔ ماں دنیا کی بے لوث اور مخلص ہستی ہوتی ہے۔ ماں کی ماتا بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ بقول شاعر:

میں خوش نصیب ہوں کہ میری ماں حیات ہے ؎ رہتے ہیں میرے ساتھ فرشتے دعاؤں میں

اورنگ کا قول ہے:

"باپ بے اعتنائی کر سکتا ہے بھائی دشمن بن سکتا ہے لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا"

چناں چہ جب اچھن کی ماں فوت ہو گئی تو وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی۔ وہ داخلی طور پر بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی اور نفسیاتی اُلجھنوں کا بھی شکار ہو گئی۔ غربت، تنہائی اور ماتا کی محرومی نے اُس کے ذہن پر منفی اثرات ڈالے۔ ماں کے وجود کی محرومی نے تو اُسے نڈھال کر کے ہی رکھ دیا اور صدمے کی وجہ سے اُس کے ذہن پر کفن میں لپٹی ہوئی ماں کی میت نقش ہو کر رہ گئی۔ اُس کے ذہن پر ڈھانچوں کی آواز اور نئے سفید کفن کے کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ چھا گئی۔ اور کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں اس کے ذہن پر سوار ہو گئیں اور وہ اپنی آنکھیں بند کر کے چارپائی پر گر پڑی۔ اور ایسی بے سدھ ہو کر گر پڑی، جیسے اس میں زندگی کے آثار ہی نہ ہوں۔

ڈھانچوں کی آوازیں اور سفید کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ماں کی موت کا منظر اُس کے ذہن اور دل پر نقش ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ وہم کا شکار ہو گئی تھی۔ اور دن میں بھی اُسے ایسے ہی خیالات گھیرے رکھتے تھے۔ کیوں کہ غربت، ماتا کی محرومی اور تنہائی نے اُس کے جسم کے ساتھ ساتھ اُس کا دماغ بھی کمزور کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ گھر میں جس طرف بھی دیکھتی، اُسے یُوں محسوس ہوتا جیسے سفید کپڑے پہنے ہوئے ڈھانچے اُس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اور اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے یہ کپڑے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے اُس کی ماں نے مر کر پہنے تھے۔

عبارت نمبر 2:

ابھی دوسرا ہی سال تو تھا کہ باپ نے اچھن کی ماں کو بالکل اسی حالت میں بستر پر پڑے دیکھا تھا۔ کھلے ہوئے ہونٹ اور پھری پتلیاں.................. یہ دیکھ کر وہ بجائے رونے دھونے کے گزوں نئے کپڑے کے پھیر میں پڑ گیا تھا۔ چیتھڑوں گدڑوں پر پڑا ہوا غریب عورت کا بے جان جسم.................. اسے دنیا کے قاعدے کے بموجب کفن چاہیے تھا۔ گزوں نیا، تھان پر سے اُتارا ہوا کپڑا.................. چاہے وہ زندگی میں ایک عرصے سے چھالیٹن کے ایک گھیر گھار والے پاجامے کو ترستی ہی رہی ہو مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟.................. غریبوں کو امیروں کی برابری کرنے کا بس ایک ہی موقع ملتا ہے دنیا میں اور وہ مرنے کے بعد صرف کفن لینے کے بارے میں۔ آہا! اصل بات تو یہ ہے کہ غریب پیدا ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد امیروں کی برابری کر لیں۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی کے سامنے ہر چیز دھندلی پڑتی جا رہی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی سے دل گھبرایا تو اچھن اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ زور زور سے روئے لیکن آنسوؤں کا ذخیرہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔ اس کا باپ کام پر سے آیا اور آ کر بیڑی سلگائی، جس سے اچھن نے منع کیا تو وہ غصہ ہونے لگا کہ اب کی سلگائی تھی اور وہ ناراض ہوتی ہے۔ وہ اچھن کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ بہت کمزور دکھائی دی۔

زیرِ تشریح عبارت کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن کی ماں کے کفن کے لیے اچھن کے باپ نے دکان کے

مالک سے پچیس روپے مانگے اور کفن کا انتظام کیا اور اب وہ اچھن کو دیکھ رہا تھا وہ سوکھتی جا رہی تھی۔ اسے اس کی فکر تھی۔ اچھن نے چراغ کی لو تیز کرنے کی خواہش کی، جس پر باپ ناراض ہوا کہ تیل بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ اچھن خوف زدہ ہو کر چارپائی پر لڑھک گئی۔ اس کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر باپ کی قناعت پسندی کا رونا روئے لیکن آنسو اس کے گلے میں اٹک گئے تھے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ بتاتی ہیں کہ ماں کے مرنے کے بعد اچھن مسلسل کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ماں کی طرح اُسے بھی ٹھسکے دار کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا۔ بے حد کمزور اور لاغر ہو چکی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد تو وہ زندگی سے انتہائی مایوس اور نڈھال ہو کر رہ گئی تھی۔ گوئٹے کا قول ہے: "جس کی ماں مر جائے وہ اس کائنات کا مفلس ترین آدمی ہے"

آج باپ نے جب اچھن کو غور سے دیکھا تو اُسے دھچکا سا لگا۔ کیوں کہ وہ سامنے کھڑی ہوئی بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔ ہڈیوں پر منڈھی ہوئی سیاہ کھال، اُلجھے الجھے گھونسلے جیسے بال، کھلے ہوئے ہونٹ اور پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں جیسے وہ دیوار سے تک کر مر گئی ہو۔ یہ منظر دیکھ کر اُسے اچھن کی ماں یاد آنے لگی۔ بالکل اسی حالت میں بستر مرگ پر پڑی تھی۔ اچھن کی ماں کو مرے ہوئے دُوسرا سال تھا۔ اُسے بھی ٹی۔ بی کی بیماری تھی، ہلکی کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار بھی رہتا تھا۔ اچھن کی طرح بہت کمزور اور نحیف و نزار تھی۔ اسی طرح کھلے ہوئے ہونٹ اور پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیوں کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر رونے دھونے اور آہ وزاری کرنے کی بجائے، اُسے کفن کے لیے نئے کپڑے کی فکر لاحق ہو گئی۔ کیوں کہ اُس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ اپنی بیوی کے لیے کفن خرید سکتا۔ بیوی کی موت کا صدمہ اور ساتھ ہی کفن کا بندوبست کرنا اُس کے لیے دوہرا عذاب بن گیا۔ پھٹے پُرانے اور چیتھڑوں لگے ہوئے بستر کی گدڑی پر پڑے ہوئے غریب عورت کے بے جان جسم کو کفن چاہیے تھا اور وہ بھی گزوں کے حساب سے نیا، تازہ تھان پر سے اُتارا ہوا کپڑا جس کے خریدنے کی اُس کے باپ میں ہمت نہ تھی۔

پوری زندگی اُسے کبھی ڈھنگ کا لباس نصیب نہ ہوا۔ اور وہ ایک عرصے تک ایک سوتی کپڑے کے بنے ہوئے کھلے گھیر کے پاجامے کو ترستی رہی مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی بلکہ اُس کے لیے حسرت ہی رہی۔ اچھن کے باپ کی تنخواہ معمولی تھی جس سے گھر کا گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا تو وہ اپنی بیوی کی فرمائش کیسے پوری کرتا۔ خود غرض اور احساسِ ہمدردی سے محروم معاشرے میں غربت زدہ لوگ مسلسل محرومیوں کا شکار ہی رہتے ہیں۔ اور امرا کا طبقہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ غریب اُن کے برابر ہو جائیں۔ وہ غریبوں کے مسائل، اُن کے دُکھ اور غم و آلام کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اور غریبوں کو مسلسل محرومیوں کا شکار رکھتے ہیں اور انھیں گھٹیا مخلوق تصور کرتے ہیں۔ غریب دن رات محنت کرتے ہیں اور اپنی جان کھپا دینے کے باوجود اُن کے مسائل حل نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن کی غربت دور ہوتی ہے اور ساری زندگی امیروں جیسی پُرتعیش زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ اور برابری نہیں کر پاتے۔ غریبوں کو امیروں کا مقابلہ کرنے کا ایک ہی موقع ملتا ہے اور وہ ہے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین کا موقع۔ جب امیر اور غریب کو دفن کرنے سے پہلے کفن پہنایا جاتا ہے۔ یہ کفن رنگ، سائز اور ہر طرح سے برابر اور یکساں ہوتا ہے۔ سلطان احمد شاہ کا فرمان ہے

"قانون شریعت میں امیر اور غریب کا امتیاز نہیں"

اور بقول شاعر:

؎ دو گز زمین مل ہی گئی اس غریب کو
مرنے کے بعد وہ بھی زمیندار ہو گیا

عبارت نمبر 3

اس نے اپنی الجھی ہوئی میلی داڑھی کو آنسوؤں سے بھگو کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ مالک میرے گھر میں بے کفن لاش پڑی ہے کچھ قرض ..... اور مالک نے بات کاٹ کر نرم لہجے میں جواب دیا۔ "منشی جی! یہ اللہ کے گھر کا کام ہے قرض نہیں ..... یہ

روپے، ادا کرنے کی فکر نہ کرنا'' تاجر مالک نے پچیس روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھی، اسے باپ کا انتظار تھا۔ اس کا دل چاہا کہ زور زور سے روئے لیکن آنسو اس کے حلق میں اٹک گئے تھے۔ آ کر اس کے باپ نے بیڑی سلگالی، جس سے اچھن نے منع کیا تو وہ خفا ہونے لگا، وہ اندھیرے میں اچھن کو دیکھنے لگا تو اسے اس کی ماں یاد آئی۔ وہ بھی ٹھیک دو سال پہلے اسی طرح چارپائی پر پڑی مر گئی تھی۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اب اچھن کی ماں کے مرنے کے بعد اسے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا، سوکھتی جا رہی تھی۔ اچھن نے کہا ابا میں سوچ رہی ہوں چراغ کی لو بڑھا دوں۔ جس پر باپ ناراض ہوا کہ تیل مہنگا ہو گیا ہے۔ لوگ اسے کہتے ہیں کہ بیٹی کی شادی کر دو اچھی ہو جائے گی۔ مگر غریب کے گھر بیاہنے بھی تو غریب نے آنا تھا۔ اور اچھن کا دل چاہتا کہ زور زور سے رو کر باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے، مگر آنسو اس کے حلق میں اٹک گئے تھے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ بتاتی ہیں کہ جب اچھن کی ماں فوت ہوگئی، تو اچھن کا باپ رونے دھونے کی بجائے کفن کی فکر میں پڑ گیا۔ اچھن کی ماں کو کفن چاہیے تھا اور اس کے لیے وہ انتہائی فکر مند تھا۔ اس لیے اس نے اپنی جان پہچان والوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ اُس نے بڑی دوڑ دھوپ کی، لیکن کہیں سے بھی اتنی رقم کا بندوبست نہ ہو سکا کہ کفن خریدا جا سکتا۔ بندوبست ہوتا بھی کیسے؟ اُس کے جان پہچان والے بھی اُس جیسے تھے، جنھیں دو وقت پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہیں تھا۔

بقول شاعر:

صحنِ غربت میں قضا دیر سے مت آیا کر — خرچ تدفین کا بیماری پہ لگ جاتا ہے

بالآخر وہ سب کی طرف سے مایوس ہو کر اپنے مالک کے پاس گیا۔ جس کی دکان پر وہ دس روپے مہینا تنخواہ کے بدلے میں صبح سے شام تک حساب کتاب لکھا کرتا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کی اُلجھی ہوئی میلی اور ناصاف ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی اور اُس نے بڑی عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر مالک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے گھر میں میری بیوی کی لاش بغیر کفن کے پڑی ہے، اُس کے لیے کفن چاہیے۔ کچھ قرض اچھن کا باپ جملہ مکمل نہیں کر پایا تھا کہ مالک نے فوراً ٹوک دیا۔ اور بڑے دھیمے اور نرم لہجے میں جواب دیا کہ منشی جی قرض کا نام نہ لو۔ کفن دفن کا بندوبست کرنا اللہ کے گھر کا کام ہے اور اللہ ہی انتظام کرتا ہے۔ یہ لو روپے اور انھیں ادا کرنے کی بھی فکر نہ کرنا۔

تاجر مالک نے یہ کہتے ہوئے پچیس روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔ حالاں کہ تاجر مالک نے قدیمی اور ایمان دار منشی کے حالات و مسائل پر کبھی غور نہیں کیا۔ جب اُس کی بیوی فوت ہوئی ہے تو اچانک اُس کے رویے میں تبدیلی آ گئی۔ تاجر کا رویہ ہمارے معاشرتی رویوں کی نمائندگی کر رہا ہے کہ ہمارا زندہ انسانوں کے ساتھ بے رُخی کا رویہ ہوتا ہے جب کہ مرنے والوں کے ساتھ ترحم اور ہمدردی کا رویہ ہوتا ہے۔ حالاں کہ زندہ انسانوں کو دوسروں کی محبت و تعاون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پھر دولت کی غیر مساوی تقسیم اور سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت تاجروں کے سرمائے میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ جب کہ غریب بے چارے کو دن رات محنت مشقت کرنے کے باوجود بھی دو وقت کا کھانا بھی ڈھنگ سے میسر نہیں آتا۔ غریب اور مزدور ساری عمر استحصال کا شکار رہتے ہیں۔

عبارت نمبر 4:

ماں کے مرنے کے بعد سے اسے بھی نہ جانے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ بس گھلتی ہی چلی جا رہی تھی۔ وہی ماں کی سی ٹھسکے دار کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار .... ادھر پڑی ہے، اُدھر پڑی ہے۔ باپ غریب اس کی حالت کو سمجھتا تو خوب مگر وہ علاج کیا خاک کرتا۔ زیادہ سے زیادہ وہی خیراتی ہسپتال

کی دوائیں، جن میں دوا تو برائے نام تھی ہاں پانی ہی پانی ہوتا............ سرکاری ہسپتال میں دی جانے والی دوائیں الٹا نقصان ہی کرتیں............ وہ جب اچھن کی ماں کے لیے کچھ نہ کر سکا تو اچھن کے لیے کہاں سے ڈاکٹر پکڑ لاتا............ پہلے بھی دس روپے پاتا تھا اور اب بھی۔ ہاں روپے کی قیمت بازار میں پہلے سے کہیں زیادہ گھٹ گئی تھی۔ جب اچھن کی ماں مری تھی تو بازار میں آنا چار سیر روپے کا مل جاتا تھا اور اب ڈھائی روپے سیر بھی مشکل سے ملتا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہے کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی تھی اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر اچھن اٹھ بیٹھی۔ اسے باپ کا انتظار تھا۔ اس کے باپ نے آ کر بیڑی سلگالی۔ اس نے باپ کو منع کیا جس سے وہ غصہ ہونے لگا۔ وہ اندھیرے میں اچھن کو دیکھنے لگا تو اسے اس کی ماں یاد آئی۔ وہ بھی دو سال پہلے اسی طرح مرگئی تھی۔ اس کے کفن دفن کے لیے اس نے دکان کے مالک سے التجا کی، جس پر اس نے پچیس روپے دے دیے۔ اب اچھن کو نہ جانے ماں کے مرنے کے بعد کیا ہو گیا تھا، سوکھتی جا رہی تھی۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ مالک نے بھی اچھن کے باپ کی تنخواہ بڑھانے سے انکار کر دیا۔ لوگ اسے مشورہ دیتے کہ بیاہ کر دو، کھائے پیے گی تو اچھی ہو جائے گی، مگر یہ نہ سوچتے کہ غریب کے گھر کوئی غریب ہی بیاہنے آئے گا۔ اچھن کا جی متلانے پر باپ نے کہا اچھا اب میں بیڑی نہ پیوں گا۔ اچھن نے کہا کہ ابا میں چراغ کی لو بڑھا دوں اس پر وہ ناراض ہوا، اچھن کا دل چاہا کہ زور زور سے رو کر اپنے باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ کہتی ہیں کہ ماں کے مرنے کے بعد اچھن کو بھی نہ جانے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل دبلی اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے غربت، ناداری اور مفلسی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ ماں کی محبت و رفاقت میں تمام مسائل زیادہ محسوس نہیں ہوتے تھے۔ ماں اُس کے دُکھ اور غموں کو سمجھتی تھی اور اس کے لیے تسلی اور تسکین کا باعث تھی۔ ماں کی آغوش میں وہ تمام غم و آلام بھول جاتی تھی۔ علامہ ابن جوزی کا قول ہے کہ:

"میری محفوظ ترین پناہ گاہ میری ماں کی آغوش ہے"

اچھن کی زندگی کی رونق، چہل پہل، اطمینان اور خوشیوں کا مدار اُس کی ماں تھی۔ یہ واحد سہارا بھی اس کی زندگی سے رُوٹھ گیا تو وہ بے یار و مددگار ہو کر رہ گئی۔

ماں کی مامتا کا واحد سہارا بھی جب اچھن سے چھن گیا تو اسے تنہائی، بیماری اور گھر کے مسائل بہت زیادہ محسوس ہونے لگے اور وہ زندگی سے مایوس ہو گئی۔ وہ مسلسل جسمانی اور دماغی لحاظ سے کمزور ہو رہی تھی۔ اسے بھی ماں کی طرح مسلسل کھانسی رہتی اور ہلکا ہلکا بخار بھی رہتا تھا۔ اُس کی ماں کو بھی دق کا مرض تھا، اسی مرض کا شکار اچھن تھی۔ وہ نڈھال ہو کر ادھر اُدھر پڑی رہتی۔ بے چارگی اور بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اچھن کا مفلس، نادار اور بے بس باپ اس کی حالت و کیفیت اور دُکھ کو بخوبی سمجھتا تھا۔ اُسے پتا تھا کہ اچھن بیمار ہے۔ اس کا علاج معالجہ ہونا چاہیے لیکن اُس کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ کسی طبیب کو دکھائے اور دوائیں خرید سکے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اچھن کے لیے سرکاری ہسپتال سے دوائیں دلا سکتا تھا۔ جن میں دوا نہ ہونے کے برابر اور پانی زیادہ ہوتا، جو فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان کرتیں۔

وہ اپنی غربت اور مفلسی کی وجہ سے اپنے دُکھوں اور غموں کی ساتھی شریکِ حیات کے لیے کسی ڈاکٹر اور دواؤں کا بندوبست نہیں کر سکا تو وہ بیٹی کے لیے کیسے انتظام کرتا۔ اس کے حالات تو پہلے سے بھی ابتر ہو گئے تھے۔ پہلے بھی اُسے اپنی محنت مزدوری کا معاوضہ دس روپے ملتا تھا اور اب بھی وہی مل رہا تھا۔ بقول شاعر:

کس ضرورت کو دباؤں کسے پورا کرلوں
اپنی تنخواہ کئی بار گنی ہے میں نے

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مہنگائی میں تو بے پناہ اضافہ ہوا لیکن اس کی تنخواہ میں مہنگائی کے حساب سے اضافہ نہ ہوا جس کی وجہ سے اس کے مسائل میں بھی اضافہ ہوا اور مہنگائی کی وجہ سے روپے کی قیمت کم ہو گئی تھی۔ جب اچھن کی ماں مری تھی تو اس وقت ایک روپے کا چار سیر آٹا ملتا تھا۔ اور اب ڈھائی روپے کا صرف ایک سیر بھی مشکل سے ملتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی ضروریات زندگی کی قیمتوں کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ بقول بقراط:

''زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے اگر مصیبت ہو تو یہ کافی طویل ہے''

عبارت نمبر 5:

(لاہور بورڈ 2009ء)

اسے تو جیسے اپنے دس روپوں کے سائے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ جہاں ضروریات زندگی کی قیمتوں کا دائرہ روز بروز تنگ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سنا کہ مل مزدوروں نے مہنگائی بھتہ لینا شروع کر دیا۔ کسانوں کی بن آئی۔ معمولی دکانوں کے ملازموں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہو گیا اور یہاں تک کہ بوجھ اٹھانے والوں نے بھی اپنی مزدوری بڑھا دی تو اس کے دل میں بھی امنگ اٹھی کہ مالک سے صاف کہ دے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ ......

سیاق و سباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھی، اسے اپنے باپ کا انتظار تھا۔ گھر آ کر اس کے باپ نے بیڑی سلگائی جس سے اچھن کا جی متلانے لگا۔ اس نے باپ کو منع کیا تو وہ غصہ ہونے لگا۔ وہ اندھیرے میں اچھن کو دیکھنے لگا تو اسے اس کی ماں یاد آئی۔ دو سال پہلے وہ بھی اسی طرح مر گئی تھی اور اس کے کفن کے لیے اس نے پچیس روپے اپنے مالک سے لیے تھے۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن کا باپ اس کے لیے پریشان تھا۔ لوگ کہتے کہ اس کی شادی کردو مگر غریب کے گھر بیاہنے بھی تو غریب ہی نے آنا تھا۔ جس پر اچھن نے کہا کہ ابا میں چراغ کی لو تیز کرلوں؟ جس پر اس کا باپ ناراض ہوا کہ تیل مہنگا ہو گیا ہے اور اچھن کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر اپنے باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن کا باپ انتہائی مفلس اور غریب شخص تھا۔ وہ ایک تاجر کی دکان پر ملازم تھا۔ اور اس کا تاجر مالک اُسے صبح سے شام تک کام کرنے کے دس روپے ماہوار تنخواہ دیتا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ مہنگائی کے حساب سے وہ معاوضے میں بھی اضافہ کرتا، لیکن تاجر نے فطری اور روایتی بے حسی کا ثبوت دیا۔ اچھن کی ماں جب مری تھی تو اس وقت بازار میں ایک روپے کا چار سیر آٹا ملتا تھا اور اب ڈھائی روپے کا ایک سیر بھی مشکل سے ملتا۔ ہر چیز مہنگائی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن دکان کا پرانا منشی اتنا ہی سستا تھا جتنا بیس سال پہلے۔ تاجر مالک نے جنگ شروع ہونے سے پہلے جو چیزیں دکان میں ذخیرہ کی تھیں وہ جنگ شروع ہوتے ہی مہنگی ہوتی گئیں۔ چیزیں جیسے جیسے پرانی ہوتی گئیں ویسے ویسے قیمتی بھی۔ لیکن اس پرانے منشی کے دس روپے کی قیمت بازار میں کم ہوتی چلی گئی۔ اسے تو جیسے دس روپوں کے دائمی اور مستقل سائے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ دس روپے ماہوار معاوضہ میں کمی بیشی نہیں ہو رہی تھی۔

تاجر مالک نے فطری سفاکی اور بے رحمی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے مخلص اور جاں نثار پرانے منشی کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کی بجائے اُسے ملازمت چھوڑنے کی دھمکیاں دیتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روپے کی قدر بھی کم ہو رہی تھی۔ تنخواہ میں اس کے لیے ضروریات زندگی کو پورا کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اُس نے سنا کہ کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالکوں نے

مزدوروں کو تنخواہ کے علاوہ مہنگائی الاؤنس بھی دینا شروع کر دیا ہے۔ مہنگائی میں اضافے کے باعث کسان بھی خوشحال ہو گئے ہیں اور انھیں اپنی چیزوں کے معاوضے خواہش کے مطابق ملنے لگے ہیں۔ معمولی اور عام دکانوں کے ملازموں کے معاوضوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ بوجھ اُٹھانے والے مزدوروں نے بھی اپنی مزدوری میں اضافہ کر دیا۔

جب وہ مزدوروں اور ملازموں کے معاوضوں میں اضافے کے بارے میں سنتا تو اُس کے دل میں بھی تنخواہ کے اضافہ کی خواہش بیدار ہوتی کہ وہ تاجر مالک سے صاف صاف کہہ دے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ۔ لیکن تاجر مالک کا روایتی بھیانک روپ سامنے آجاتا۔ وہ پہلے ہی سنانا شروع کر دیتا، منشی جی بڑھاپے سے تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ دیکھو تم نے حساب میں گڑبڑ کر دی ہے۔ تمھارے پُرانے ہونے کا خیال کر رہا ہوں ورنہ مجھے منشیوں کی کمی نہیں ہے۔ اس طرح کی جلی کٹی اور روح کو مجروح کرنے والی باتیں سُن کر وہ غم زدہ ہو جاتا کہ کہیں ان دس روپوں سے محروم ہو کر فاقوں تک نوبت نہ آ جائے۔

عبارت نمبر 6

لیکن شاید مالک نے اس کا خیال بھانپ کر پہلے ہی سے ہر وقت سنانا شروع کر دیا کہ منشی جی بڑھاپے سے تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب گھر بیٹھو کری چھوڑ کر۔ یہ دیکھو تم نے حساب میں اتنی اتنی رقم ابھی تک نہیں جوڑی مجھے منشیوں کی کمی نہیں۔ میں تمھارے پرانے ہونے کا خیال کرتا ہوں۔ سمجھے ....'' آئے دن یہ سن سن کر اس کا جی سوکھتا کہ کہیں ان دس روپوں کے بھی لالے نہ پڑ جائیں اور وہ اس دن کو کوستا جب اس کے دل میں تنخواہ بڑھوانے کا منحوس خیال آیا تھا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی۔ اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھی، اسے اپنے باپ کا انتظار تھا۔ گھر آ کر باپ نے بیڑی سلگائی، اس کا دل متلانے لگا تو باپ کو منع کرنے لگی اور وہ ناراض ہونے لگا۔ وہ اندھیرے میں اچھن کو دیکھنے لگا تو اسے اس کی ماں یاد آئی۔ دو سال پہلے وہ فوت ہو گئی تھی اس کے کفن کے لیے پچیس روپے اس کے مالک نے دیئے۔ ماں کے مرنے کے بعد اچھن بھی گھلتی جا رہی تھی وہ اس کی ماں کا علاج نہ کرا سکا تو اس کا کہاں سے کراتا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن سوکھتی جا رہی تھی اور وہ پریشان تھا۔ وہ اس کی شادی بھی کرتا تو کسی غریب نے ہی اس کو بیاہنے آنا تھا۔ اچھن نے چراغ کی لو بڑھانے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر باپ نے غصہ کیا کہ تیل مہنگا ہو گیا ہے اور اچھن کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن کا باپ انتہائی مفلس اور غریب تھا۔ وہ ایک تاجر کی دکان پر دس روپے ماہوار پر صبح سے شام تک کام کرتا تھا۔ تاجر نے فطری بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی تنخواہ میں اضافہ نہ کیا۔ ہر چیز مہنگائی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن دکان کا پُرانا منشی اتنا ہی سستا تھا جتنا بیس سال پہلے۔ تاجر مالک نے جنگ شروع ہونے سے پہلے جو چیزیں دکان میں ذخیرہ کی تھیں وہ جنگ شروع ہوتے ہی مہنگی ہو گئیں۔ چیزیں جیسے جیسے پرانی ہوتی گئیں ویسے ویسے قیمتی بھی۔ لیکن اس پرانے منشی کے دس روپے کی قیمت بازار میں کم ہوتی چلی گئی۔ اس نے سنا کہ جنگ ہونے کے بعد مہنگائی میں اضافے کے حساب سے کارخانوں، فیکٹریوں کے مزدوروں کو مہنگائی الاؤنس مل رہا ہے۔ کسان بھی خوش حال ہو گئے ہیں۔ معمولی دکانوں کے ملازموں اور بوجھ اُٹھانے والے مزدوروں کے معاوضوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔

جب وہ ساری باتیں سنتا تو اس کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوتی کہ وہ اپنے مالک سے صاف صاف کہے کہ میری تنخواہ

میں بھی اضافہ کرو۔ تاجر مالک بھی اردگرد کے حالات سے واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ منشی بھی تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ نہ کرے۔ اس نے پہلے ہی منشی کو جلی کٹی سنانا شروع کر دیں۔ کبھی وہ کہتا کہ منشی جی بڑھاپے کی وجہ سے تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ عمر نوکری کرنے کی نہیں ہے۔ بلکہ آرام کرنے کی ہے۔ اب چین سے گھر بیٹھو۔ کبھی اس کے کام میں نقص نکالتا کہ حساب کتاب پورا نہیں ہے۔ تاجر مالک فطری سفاکی اور بے رحمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے، اس کی بیس سالہ خدمات پر پانی پھیر دیتا اور طعنے دیتا کہ مجھے منشیوں کی کمی نہیں ہے۔ احسان الگ جتاتا کہ تمھارے پرانے ہونے کا خیال ہے ایسی دھمکیاں سن سن کر اس کا دل گھبراتا کہ کہیں یہ دس روپے بھی خطرے میں نہ پڑ جائیں۔ پہلے ہی دس روپے میں روزی روٹی بمشکل پوری ہوتی ہے۔ کہیں اس سے بھی ہاتھ نہ دھونے پڑ جائیں۔ اور وہ اس دن کو برا بھلا کہتا جس دن اس کے دل میں تنخواہ بڑھوانے کا فضول خیال آیا تھا۔

عبارت نمبر 7:

اچھن سوکھتی جا رہی تھی، اس کے لیے وہ انتہائی فکر مند تھا۔ پاس پڑوس والے کہتے کہ منشی جی! جب لونڈیا کو کھلا پہنا نہیں سکتے بیمار ہے تو کوڑی کی دوا نہیں دے سکتے تو اسے اپنے گھر بار کا کر دو.............. کھائے پہنے گی تو آپ ہی اچھی ہو جاوے گی۔ لیکن مشورہ دینے والے جیسے یہ سوچتے ہی نہ تھے کہ غریب کی لڑکی غریب ہی کے گھر جائے گی، کسی دس بارہ روپے پانے والے کی عورت کیا پہنے گی اور کیا کھائے گی۔ آخر اچھن کی ماں بھی تو شوہر والی تھی کون سا سکھ اُٹھا لیا غریب نے؟

سیاق و سباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی۔ اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ اسے باپ کا انتظار تھا۔ گھر آ کر باپ نے بیڑی سلگا لی۔ اس کا دل متلانے لگا تو باپ کو منع کرنے لگی جس پر وہ غصہ ہوا۔ ماں کے مرنے کے بعد اچھن بھی گھلتی جا رہی تھی۔ وہ اس کی ماں کا علاج نہ کرا سکا تو اس کا کیا کراتا۔ اس نے مالک سے تنخواہ بڑھوانے کا سوچا مگر مالک شاید پہلے جان گیا اور اسے اٹھتے بیٹھتے بڑھاپے اور نوکری سے نکالنے کے طعنے دینے لگا۔

اچھن کو عجیب طریقے سے کھڑا دیکھ کر باپ نے پوچھا اچھن اس طرح کیوں کھڑی ہے۔ اب میں بیڑی نہیں پیوں گا۔ اس پر اچھن بولی کہ چراغ کی لو تھوڑی زیادہ کر لوں؟ اس کی آواز میں آرزو کے ساتھ خوشامد بھی تھی مگر باپ ناراض ہوا کہ تیل مہنگا ہو گیا ہے۔ جس پر اچھن کا دل چاہا کہ زور زور سے رو کر باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں مصنفہ اچھن کے باپ کے حالات کے بارے میں بتا رہی ہیں کہ اچھن کا باپ غربت، ناداری اور حالات کا شکار تھا۔ وہ ایک تاجر کی دکان پر دس روپے ماہوار پر صبح سے شام تک کام کرتا تھا۔ ہر چیز مہنگائی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن دکان کا پرانا منشی اتنا ہی سستا تھا جتنا بیس سال پہلے۔ وہ مزدوروں اور معمولی ملازموں کی تنخواہوں میں اضافے کی خبر سنتا، تو اس کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی، کہ وہ مالک سے کہے کہ میری تنخواہ میں اضافہ کرو۔ مالک پہلے ہی اس کو جلی کٹی سنانا شروع کر دیتا۔ اور وہ اس دن کو برا بھلا کہتا جس دن تنخواہ بڑھوانے کا فضول خیال آیا تھا۔ دوسری طرف اس کی بیٹی اچھن روز بروز سوکھتی اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ بقول اختر عثمان:

عجیب رنج ہے، کانٹا ہوا بدن سارا
عجیب درد ہے، لگتا ہے جان سوکھتی ہے

اچھن غربت، ناداری اور حالات و مسائل کی وجہ سے زندگی سے عاجز تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد تو زندگی سے بالکل مایوس ہو کر رہ گئی۔ فردوسی نے بجا کہا تھا کہ:

"اگر میری ماں مجھ سے جدا کر دی جائے تو میں پاگل ہو جاؤں"

اچھن کا باپ اپنی بیٹی اچھن کے لیے بہت فکر مند اور پریشان رہتا تھا۔ اچھن بیمار رہتی تھی۔ اس کے علاج کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ جس کی وجہ سے وہ کڑھتا رہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو اچھا کھلائے، پہنائے اور اس کا علاج کرائے۔ لیکن ہمت اور استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے وہ انتہائی پریشان تھا۔ دوسری طرف اردگرد کے ہمسائے طعنے دیتے کہ اگر بیٹی کو کھلا پہنا نہیں سکتے۔ اس کا علاج نہیں کرا سکتے اور اسے دو پیسے کی دوا بھی نہیں دے سکتے تو اس کی شادی کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔ اور جب اس کی شادی ہو جائے گی تو اس کا شوہر اسے اچھا کھلائے پہنائے گا تو خود ہی تندرست و توانا ہو جائے گی۔ وہ لوگوں کی جلی کٹی باتیں سن کر انتہائی پریشان ہو جاتا اور اپنی حالت پر پچھتاتا اور اس کے دل میں خیال آتا کہ مشورہ دینے والے سوچتے ہی نہیں کہ غربت و مفلسی انسان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتی۔ غریب آدمی اپنی غربت سمیت منوں مٹی کے نیچے جا کر ابدی نیند سو جاتا ہے اور پھر غریب آدمی کی غربت کے اثرات اس کی اولاد پر بھی پڑتے ہیں۔ اس لیے وہ سوچتا ہے کہ غریب کی بیٹی سے کوئی غریب ہی شادی کرے گا۔ بقول شاعر:

بہت حسرت مجھے تھی اپنا گھر آباد کرنے کی
میں بنتِ مفلسی کو تین کپڑوں میں ہی لے آیا

آخر اچھن کی ماں بھی تو شوہر والی تھی۔ وہ بھی عمر بھر پھٹے پُرانے کپڑوں میں گزارا کر کے قبر کی منوں مٹی کے نیچے جا سوئی۔ اُسے اپنے گھر کا کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ اگر اس کی بیٹی کے ساتھ دس بارہ روپے تنخواہ پانے والا شادی کر بھی لے گا تو اس کی حالت کیا خاک بدلے گا۔ وہ بھی اپنی ماں کی طرح دوا اور اچھے لباس کو ترستی گھٹ گھٹ کے مرجائے گی۔

عبارت نمبر 8: (گوجرانوالہ بورڈ 2007,12، ڈیرہ غازی خاں 2009)

وہ مایوس ہو کر لڑکھڑاتی ہوئی دالان سے نکل آئی اور اپنی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے ابا پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر وہ اس برائے نام روشنی پر قناعت کیوں کرتے ہیں؟ مٹی کا تیل اسے روزانہ کیوں نہیں ملتا؟ جب کہ گلی کے نکڑ والے خوبصورت دو منزلہ گھر میں تمام رات بڑی بڑی لالٹینوں کی روشنی ہوتی رہتی ہے .... لیکن اس کا جھنجلایا ہوا دماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اگر تیل لڑے بھڑے ملنے بھی لگے تو اس مد کے لیے دو پیسے روز کس کے گھر سے آئیں گے جب کہ اس کے باپ کو سخت محنت کی قیمت صرف اتنی ہی ملتی ہے کہ وہ جیے تو کیا ہاں جینے کی بھونڈی سی نقل اتارتا رہے۔ بالکل اس طرح جیسے سیاہ طاق میں رکھا ہوا چراغ .... جس کی مدھم روشنی پر چاروں طرف سے اندھیرا امڈ رہا تھا۔

سیاق وسباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنفہ بتاتی ہیں کہ شام کی تاریکی سے ہر چیز دھندلا سی گئی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی سے گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ وہ اپنے باپ کا انتظار کر رہی تھی۔ باپ نے آ کر بیڑی سلگائی جس سے اس کا جی اور متلانے لگا۔ وہ منع کرنے لگی جس سے باپ ناراض ہوا۔ ماں کے مرنے کے بعد اچھن بھی گھلتی جا رہی تھی۔ وہ اس کی ماں کا علاج نہ کرا سکا تو اس کا کیا کراتا۔ اچھن کو دیکھ کر باپ نے سوچا کہ شاید بیڑی سلگانے پر خفا ہے۔ بولا کہ اب بیڑی نہ پیوں گا۔ اچھن بولی کہ میں چراغ کی لو تیز کرلوں؟ جس پر وہ ناراض ہوا کہ تیل مہنگا ہو گیا ہے۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنفہ بتاتی ہیں کہ اچھن پیچ و تاب کھاتی ہوئی چارپائی پر لڑھک گئی۔ اس کا دل چاہا کہ زور زور سے باپ کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے۔ لیکن آنسو اس کے حلق میں اٹک گئے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ اچھن بیمار تھی اور گھر میں انتہا درجے کی غربت بھی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد تو ہر وقت غم زدہ اور اداس رہنے لگی۔ غربت، تنہائی اور مامتا کی محرومی نے اس کے جسم اور دماغ پر بُرے اثرات مرتب کیے تھے۔ جسمانی طور پر کمزور و نحیف اور نفسیاتی اُلجھنوں کا شکار ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے چراغ کی کم روشنی میں اُس کا جی اور بھی گھبرا رہا تھا۔ اُس نے خوشامد کے لہجے میں اپنے باپ سے چراغ کی لو بڑھانے کی آرزو کی۔ اُس نے باپ سے کہا کہ ایسی روشنی کا کیا فائدہ، جس سے تاریکی دور نہ ہو اور جس میں جی زیادہ گھبرائے۔ تو اُس کے باپ نے ناراضی کا اظہار کیا وہ مایوسی کی حالت میں گرتی پڑتی دالان سے باہر نکل آئی اور بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں اپنی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے باپ پر بار بار غصہ آ رہا تھا کہ وہ نہ ہونے کے برابر روشنی پر اکتفا کیوں کر رہا ہے۔ جس سے گھر کی تاریکی ہی دور نہ ہو۔ وہ گھر میں روشنی کا انتظام کیوں نہیں کرتا۔ وہ مضطرب اور مغموم تھی کہ اسے بلا ناغہ مٹی کا تیل کیوں نہیں ملتا۔ جس سے گھر کی تاریکی دور ہو سکے۔ یکایک اس کی نظروں کے سامنے گلی کے کونے والے خوبصورت دو منزلہ گھر کا منظر گھومنے لگا۔ جس میں رات بھر بغیر کسی وقفے کے چراغ جلتے رہتے تھے۔ نہ انھیں تیل کی قلت کا سامنا تھا اور نہ ہی اُن کے لیے تیل پر کنٹرول اور پابندی تھی۔ کارلائل کا قول ہے کہ:

"امیر کا پڑوس زحمت کا باعث ہے"

ساری پابندیاں اور قناعت صرف غریب اچھن کے باپ کے لیے تھیں۔ اچھن کو اپنی کم مائیگی کا شدید احساس ہوتا ہے کہ اندھیرا صرف ہمارے ہی مقدر میں ہے:

ے یہ چاند اگر سارے زمانے کے لیے ہے
پھر کیوں ہے غریبوں کے مکان میں اندھیرا

اچھن گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں یہ سوچ ہی نہیں سکی کہ اگر تیل پر پابندی ختم ہو جائے اور روزانہ تیل تھوڑی سی سعی و کوشش سے ملنے بھی لگے تو پھر بھی تیل خریدنے کے لیے تو پیسے درکار ہیں اور دو پیسے روزانہ کہاں سے آئیں گے؟ جب کہ اس کے والد کو سارا دن سخت محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اتنی جان کھپانے کے باوجود جو اسے مزدوری ملتی ہے۔ اس سے گھر کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔

اسے سخت مشقت اور جدوجہد کے بعد جو ماہوار تنخواہ ملتی ہے اس سے زندگی گزارنے کی بھدی اور بدصورت نقل اتارنا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سیاہ اور تاریک بغیر پٹ کی الماری میں رکھا ہُوا چراغ، جس کی دھیمی روشنی پر چاروں اطراف سے اندھیرا غالب آ رہا تھا۔ جس کی مدھم روشنی گھر کی تاریکی دور کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اچھن کے باپ کی انتہائی قلیل آمدنی سے ان کی زندگی کی مشکلات دور نہیں ہو رہی تھیں۔ بلکہ اندھیرے کی طرح مسائل ان کی زندگی پر غالب آ رہے تھے۔